اختلاف کے اصول وآداب

(قرآن وسنت کی روشنی میں)

ضمیر الحسن خان فلاحی

فروری ۲۰۱۴ء، ربیع الاول/ربیع الثانی ۱۴۳۵ھ جلد: ۴۰ شمارہ: ۲

امت مسلمہ پر اصلاً دین حق کی اقامت واشاعت اور اس کے احکام کی تعمیل فرض ہے۔ دوسرے لفظوں میں وہ اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت مکلف ہے لیکن چونکہ انسانوں کے مزاج، میلانات اور فہیم وفراست میں اختلاف پایا جاتا ہے اس لئے دین کی تعبیر وتشریح میں اختلاف پایا جانا فطری ہے مگر یہ اختلاف آراء صرف ان امور میں جائز ہے جہاں نصوص شریعت میں ایک سے زائد توجیہات کی گنجائش ہو، مسلملت وکلیات دین میں اختلاف کی اجازت نہیں ہے، اس کے ساتھ دین رحمت کا تقاضا یہ ہے کہ فروعی امور میں رایوں، نقطہائے نظر اور مسالک وغیرہ کا اختلاف، دلوں کے اختلاف اور باہم تنازعہ ومنافرت کی شکل اختیار نہ کرنے پائے کہ دلوں کا اختلاف بالاتفاق حرام اور افراد امت کے لیے ایک عظیم خطرہ ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

يَآيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ وَاُولِي الْاَمْرِ مِنْكُمْ ۚ فَاِنْ تَنَازَعْتُمْ فِيْ شَيْءٍ فَرُدُّوْهُ اِلَى اللّٰهِ وَالرَّسُوْلِ اِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ۭ ذٰلِكَ خَيْرٌ وَّاَحْسَنُ تَاْوِيْلًا ۝ ۵۹ (۵۹: نساء)

"اے لوگو جو ایمان لائے ہو، اطاعت کرو اللہ کی اور اس کے رسول کی اور ان لوگوں کی جو تم میں صاحبِ امر ہیں۔ پھر اگر تمہارے درمیان کسی معاملہ میں نزاع ہو جائے تو اسے اللہ اور رسول کے حوالہ کر دو اگر واقعی تم اللہ اور روز آخرت پر ایمان رکھتے ہو، یہ صحیح طرز عمل ہے اور انجام کے اعتبار سے بھی بہتر ہے۔

اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "تم جنت میں داخل نہیں ہو سکتے یہاں تک کہ مؤمن ہو جاؤ اور مؤمن نہیں ہو سکتے جب تک کہ ایک دوسرے سے محبت نہ کرو۔" (مسلم) گویا ایمان، دخول جنت کے لیے اور الفت ومحبت باہم تکمیل ایمان کے لئے شرط ہے۔

اسلام کے اس بنیادی اصول سے غفلت کے نتیجہ میں امت فرقوں میں بٹ گئی اور فکر و نظر اور رنگ و نسل کا اختلاف عملی اختلاف میں تبدیل ہو گیا۔

واقعہ یہ ہے کہ انسان اتباع ہویٰ میں صحیح وغلط کا فرق ملحوظ نہیں رکھ پاتا اور اصول و فروع کی عدم تعیین کی وجہ سے فروعی اختلاف، اصول و کلیات کے اتفاق پر غالب آجاتا ہے، نتیجتاً نوافل و مستحبات کا اختلاف، فرائض و واجبات سے دور کر دیتا ہے حالانکہ صحیح اور راست طرز عمل یہ ہے کہ متفق علیہ امور ہیں ایک دوسرے کا تعاون کیا جائے اور مختلف و متنازع فیہ مسائل میں اظہار نکیر اور طعن و تشنیع کے بجائے وسعت قلب و نظر اور رواداری کا ثبوت دیا جائے۔

اس بات سے کسے انکار ہو گا کہ اتباع حق، جستجوئے صواب اور التزام علی الحق، صراط مستقیم اور سواء السبیل کی طرف رہ نمائی کرتا ہے، ہوائے نفس، تعصب و تنگ نظری سے محفوظ رکھتا ہے اس لیے مختلف فیہ امور میں ہوائے نفس اور ذاتی مصالح کو در آنے کا کبھی موقع نہیں ملنا چاہیے۔ کوشش تو یہ ہو کہ اختلاف پیدا ہی نہ ہو اور بحث و تکرار کے بجائے شریعت کی صریح اور متفق ہدایات کی روشنی ہیں مسائل کا حل تلاش کر لیا جائے، اس کے بعد بھی اگر کسی مسئلہ میں اختلاف واقع ہو جائے تو کتاب اللہ کی تعمیل کرتے ہوئے اللہ و رسول کے حکم کے آگے سر اطاعت جھکا کر اس اختلاف کو دور کر لیا جائے کہ علمی فروگذاشتوں اور فقہی شذوذ کو تلاش کرنا اور جمع کر کے عوام میں پھیلانا، اہل علم کا شیوہ نہیں ہے، اس سے کسی خاص مسلک ہی نہیں بلکہ پورے دین پر سے اعتماد اٹھ جاتا ہے نیز یہ بد ترین اور دشمنانہ روش ہے جس کے پیچھے خاص و عام کوئی مصلحت نہیں ہے۔ لغزشوں کو ڈھونڈنا اور غلطیوں کو تلاش کرنا بیمار دل اور بدنیت شخص کا کام ہے اس لئے کہ انبیاء علیہم السلام کے سوا کوئی انسان معصوم ہونے کا دعویٰ نہیں کر سکتا۔ اگر ایسا ہوتا تو مخطی مجتہد اجر و ثواب کا مستحق نہ ہوتا۔

امت کی پسماندگی اور زبوں حالی کا شدید تقاضا ہے کہ سچی اسلامی اخوت کے احیاء کے لئے سعی پیہم اور جہد مسلسل کی جائے تا کہ امت کے سبھی طبقے اور جماعتیں ہر چیز سے بلند ہو کر اللہ کے دین کی اعانت و محبت اور اللہ و رسول کے لئے دوستی پر ایک ہو سکیں، ہر شخص کی رائے کا احترام ہو کہ کسی کی رائے پر بے وجہ اعتراض کرنا اور اس کی تنقیص کرنا علم کے باب میں ناپسندیدہ ہے،

کسی مجتہد کی اجتہادی چوک اس کی توہین کرنے کا جواز فراہم نہیں کرتی اور نہ کسی کو بدنام کرنے کی نفسانیت پسندیدہ ہے اہل علم کا فرض ہے کہ وہ اسلامی اخوت کی قدر وقیمت کا احساس کریں کیونکہ حق کسی خاص مسلک میں محدود نہیں ہے اور اختلاف رائے، لڑائی کا موجب نہیں ہوتا۔اجتہاد کی شان یہ ہے کہ اس کے نتیجہ میں اختلاف ہوتا ہے مگر یہ اختلاف، نفاق وشقاق کی بنیاد نہیں بنتا اور نہ اس کی وجہ سے بغض وعناد کی تخم ریزی ہوتی ہے۔ تنقید کا مطلب ہی یہ ہے کہ ناقد، حق کو اپنے اندر محدود نہ سمجھے، بحث ومباحثہ کا ادب یہ ہے کہ کسی کی عزت وآبرو اور دین وایمان پر حملہ نہ ہو، خصوصیت سے ان علماء اور خادمانِ دین کی، جو یگانہ ہیں، جنھوں نے اس دین کی بے لوث خدمت کی ہے، جو علم کے نہایت اونچے مرتبہ پر فائز ہیں، جنھوں نے راہ خدا میں جہاد کیا اور اس دین کے راستہ میں چوٹیں کھائیں اور خدمتِ دین میں جن کا اخلاص نمایاں ہے۔

اس گزارش کا مقصود انہیں لغزشوں سے بری قرار دینا نہیں ہے کہ ہر عالم کی رائے اخذ ومواخذہ کے قابل ہے لیکن کسی جنایت کار ملحد، خود غرض کافر، حاسد مستشرق اور عالم دین ہر تنقید وتردید میں بہت فرق ہوتا ہے، اسی فرق کی رعایت کی وجہ سے صحابہ کرام، تابعین عظام اور ائمہ سلف کا اختلاف تفریق وانتشار کا سبب نہیں بنا، علم کی پہچان یہ ہے کہ وہ بحث وتکرار سے دور رہتا ہے کہ تکرار دلوں کو بدل دیتی ہے اور الفت ویگانگت کے بعد جدائی کا وارث بنا دیتی ہے لہٰذا کسی عالم کو زیب نہیں دیتا کہ وہ لوگوں کو کسی ایک مذہب پر عمل کے لئے مجبور کرے۔

مخالفت واختلاف کی شدت کو کم کرنے کے لئے اسلامی اصول وآدابِ اختلاف کی رعایت ضروری ہے۔ذیل میں اس تعلق سے بعض آداب کا ذکر کیا جارہا ہے۔

ا۔طلب حق :

بحث ونظر کے لئے ضروری ہے کہ مقصد حق اور حق تک رسائی ہو اور انسان اس کے معاملے میں بالکل خالی الذھن ہو کہ مومن ہمیشہ حق کا طالب، حقیقت کا متلاشی اور حق وصواب کا سائل ہوتا ہے، وہ اس نبوی ہدایت کو اپنے سامنے رکھتا ہے :

"الحکمۃ ضالۃ المؤمن اینما وجدھا فھو احق بھا" (ترمذی و ابن ماجہ) یعنی حکمت مؤمن کی گم شدہ پونجی ہے، جہاں بھی ملے وہ اس کا زیادہ حقدار ہے۔

دیدہ و دانستہ حق کی مخالفت کرنا، اسے باطل سے گڈ مڈ کرنا اور مشتبہ بنا کر لوگوں کے سامنے پیش کرنا اہل ایمان کا شیوہ
: نہیں ہے، یہ بنی اسرائیل کا وتیرہ تھا، جس پر قرآن نے انھیں ملامت کی اور اہل ایمان کو اس سے بچتے رہنے کی تاکید فرمائی

وَلَا تَلْبِسُوا الْحَقَّ بِالْبَاطِلِ وَتَكْتُمُوا الْحَقَّ وَأَنْتُمْ تَعْلَمُونَ ۝٤٢ (البقرۃ: ۴۲)

" باطل کا رنگ چڑھا کر حق کو مشتبہ نہ بناؤ اور جانتے بوجھتے حق کو چھپانے کی کوشش نہ کرو۔"

وَإِنَّ فَرِيقًا مِّنْهُمْ لَيَكْتُمُونَ الْحَقَّ وَهُمْ يَعْلَمُونَ ۝١٤٦ الَّذِينَ آتَيْنَاهُمُ الْكِتَابَ يَعْرِفُونَهُ كَمَا يَعْرِفُونَ أَبْنَاءَهُمْ ۝
(البقرۃ: ۱۴۶)

جن لوگوں کو ہم نے کتاب دی ہے وہ اسے ایسے ہی پہچانتے ہیں جیسے اپنی اولاد کو، مگر ان کا ایک گروہ جان بوجھ کر"
"کتمانِ حق کا ارتکاب کر رہا ہے۔

اس لئے بندہ مومن یہ سمجھتا ہے اور اسے سمجھنا ہی چاہیے کہ کبر ایک خطرناک بیماری ہے جو انسان کو انکار و کتمان حق پر آمادہ کرتی ہے اور دوسروں کو اس کی نگاہ میں حقیر و کمتر بنا دیتی ہے، حضرت عبداللہ بن سعودؓ سے مروی ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "جس کے دل میں ذرہ برابر کبر ہو گا وہ جنت میں نہیں جائے گا۔ ایک شخص کھڑا ہوا اور پوچھا کہ آدمی کی خواہش ہوتی ہے کہ اس کا لباس اچھا ہو، اس کا جوتا اچھا ہو، آپؐ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ جمیل ہے اور جمال کو پسند کرتا ہے، کبر حق سے انحراف اور
(دوسروں کو ذلیل و حقیر سمجھنے کو کہتے ہیں۔" (مسلم

حجت الاسلام امام غزالیؒ فرماتے ہیں: طلب حق میں تعاون، دین کا خاصّہ ہے، لیکن اس کی کچھ شرطیں ہیں، ان میں سے ایک شرط یہ ہے کہ طالب حق کو اس متلاشی کی طرح ہونا چاہیے جو اپنی گم شدہ چیز کی تلاش میں نکلتا ہے اسے اس سے کوئی سروکار نہیں ہوتا کہ وہ گم شدہ چیز اس کے ہاتھ آتی ہے یا کسی اور کو ملتی ہے، اس کے برعکس وہ اپنے ساتھی کو اپنا مدد و معاون تصور کرتا ہے لہٰذا جب وہ اس کی کسی غلطی کی نشان دہی کرتا ہے اور حق کا اظہار کرتا ہے تو وہ اس کا شکر گزار ہوتا ہے۔ صحابہ کرام رضوان اللہ اجمعین کا یہی معاملہ تھا، ایک عورت عین خطبہ کے دوران خلیفۂ وقت کو ٹوک دیتی تھی اور حق سے آگاہ کرتی تھی تو یہ کہہ کر اس کی حوصلہ افزائی کی جاتی تھی کہ: اصابت امرأۃ واخطأ عمرؓ (عورت صحیح سمجھی اور عمر سے چوک ہو گئی) (احیاء علوم الدین ۴۲/۱)

اگر یہ ذرّیں اصول، حق کی طلب اور وصول الی الصواب سامنے رہے تو اختلاف کے وہ نتائج سامنے نہ آئیں جو آرہے ہیں اور جن کے کڑوے کسیلے پھل امت کو چکھنا پڑ رہے ہیں۔

:۲۔ اخلاص نیت

آداب واصول اختلاف کا تقاضا یہ بھی ہے کہ آدمی اس راہ میں قدم رکھنے سے پہلے اپنا جائزہ لے اور نیت کو خالص کرے، کیونکہ اختلاف کا مقصد اپنی مہارت اور علمی برتری کا ثبوت دینا نہیں ہے۔ یہ وہ چیزیں ہیں جو عمل کو ضائع کر دیتی ہیں۔ انسان کو اپنے ازلی دشمن ابلیس سے ہمہ آن ہوشیار رہنا چاہیے کہ اس کا کام ہی ابن آدم کو گمراہ کرنا ہے، اس کے دامِ فریب میں آکر انسان یہ سمجھتا ہے کہ وہ حق کا احقاق اور دین کی اقامت کا فرض ادا کر رہا ہے حالانکہ وہ احقاقِ نفس اور اقامتِ ہویٰ کے راستہ پر چل رہا ہوتا ہے، اسی لئے اللہ تعالیٰ کی تاکید ہے کہ:

مَا يَلْفِظُ مِنْ قَوْلٍ اِلَّا لَدَيْهِ رَقِيْبٌ عَتِيْدٌ ۝۱۸ (ق/۱۸)

''کوئی لفظ اس کی زبان سے نہیں نکلتا مگر اسے محفوظ کرنے کے لئے ایک حاضر باش نگراں (فرشتہ) موجود ہوتا ہے۔''

حضرت معاذ بن جبلؓ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا کہ کیا ہماری باتوں پر بھی ہم سے مواخذہ ہوگا؟ آپؐ نے ارشاد فرمایا:

(ثکلتک امک، وھل یکب الناس فی النار علی وجوھم الا حصائد السنتھم (ترمذی

''لوگ جہنم میں منہ کے بل صرف اپنی زبانوں ہی کی وجہ سے گریں گے۔''

ایک دوسری حدیث میں ہے کہ آپؐ نے فرمایا:

(۳/۱۹۸ لا یستقیم ایمان عبد حتّٰی یستقیم قلبہ ولا یستقیم قلبہ حتی یستقیم لسانۃ (مسند احمد بن حنبل

''کسی بندہ کا ایمان سلامت نہیں یہاں تک کہ اس کا دل سلامت ہو اور دل کی سلامتی زبان کی سلامتی پر موقوف ہے۔''

صحابیِ رسولؐ حضرت عبداللہ بن مسعود کہا کرتے تھے:

(۳۱۔۳/۵۳۰ والذی لاالہ غیرہ، ماعلی ظھر الارض شیٔ احوج الی طول سجن من لسانۃ (الترغیب والترھیب

اس ذات کی قسم جس کے سوا کوئی الٰہ نہیں، زمین کی کوئی شئے، زبان سے بڑھ کر اس بات کی محتاج نہیں کہ اس پر''
''قدغن لگائی جائے۔

مذکورہ بالا ہدایات یہ بتانے کے لئے کافی ہیں کہ آدمی زبان پر کنٹرول رکھے اور نیت میں خلوص پیدا کرے کہ اس کے ایک ایک لفظ اور ایک ایک عمل کا محاسبہ ہوگا، محبت صرف حق سے ہو اور مقصود فکر صحیح اور عمل سلیم کی اشاعت ہو کہ یہ چیز حق پسندی اور انصاف پروری کی علامت اور نفسانیت سے محفوظ ہونے کی دلیل ہے۔

محاسبۂ نفس اور اپنا جائزہ یقیناً ایک مشکل عمل ہے جس کے لئے طویل تربیت کی ضرورت ہے محاسبہ کا بہترین اور موثر طریقہ یہ ہے کہ انسان تنہائی میں، جبکہ نفس یکسو اور ہر طرح کے مناظرہ سے دور ہوتا ہے، محاسبہ نفس کرے، وہ اپنے نفس سے پوچھے کہ اپنے مسلک، اپنی فکر اور اپنی جماعت کے سلسلہ میں اس نے جو موقف اختیار کیا ہے، وہ کہاں تک صحیح ہے؟ محاسبۂ نفس میں یہ بات بھی شامل ہے کہ انسان فہم وتدبر کا حریص اور عجلت پسندی سے دور ہو، اس کی نگاہ اس بات پر ہو کہ جلد بازی کہیں اسے طلب استعداد سے محروم نہ کردے، شیطان کی وسوسہ اندازیوں سے محفوظ رہنے کا اولین تقاضا یہ ہے کہ اپنے موقف کا بار بار جائزہ لیا جائے اور عمل و ردعمل کے بجائے توقف کی راہ اپنائی جائے۔

۳۔ نفسانیت سے اجتناب:

امت کے اختلافات کی ایک بڑی وجہ نفسانیت وخودپسندی بھی ہے اور ظاہر ہے کہ جہاں نفسانیت وخودپسندی ہوگی وہاں حق نہیں ہو سکتا لہٰذا نفسانیت سے دور رہ کر تقویٰ وخداترسی کا راستہ اختیار کرنا چاہیے تاکہ حق تک رسائی ممکن ہو سکے، کیوں کہ فریقین کا مقصود اصلی یہی حق ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ''بہت سے لوگ بلا علم محض اپنی خواہشات کی وجہ سے دوسروں کو گمراہ کر دیتے ہیں'' (الانعام:۱۱۹) دوسری جگہ فرمایا: ''خواہش نفس کی پیروی مت کرو کہ راہ حق سے بھٹک جاؤ گے۔'' (ص ۲۶:)

نفسانیت کی متعدد قسمیں اور مختلف منازل ہیں، مگر سب کی اصل وہ خود پسندی ہے جس سے بہت سی بیماریاں جنم لیتی ہیں اور جس کے فریب میں آکر انسان جادۂ حق سے منحرف ہو جاتا ہے اور راہ ضلالت کی خوشنمائیاں اسے اتنی دل فریب لگنے لگتی ہیں کہ وہ خود کو جنوں اور جنوں کو خرد تصور کرنے لگتا ہے، خلیفۂ عادل حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کا قول ہے کہ: کلام تین طرح کا ہوتا ہے: ایک وہ جس سے رشد و ہدایت کی وضاحت ہوتی ہے، لہٰذا اسے اختیار کرنا چاہیے، دوسرے وہ جس سے خطاؤں کا صدور ہوتا ہے، اس سے اجتناب ضروری ہے اور تیسرا وہ جس میں خطا و صواب دونوں کا احتمال ہوتا ہے۔ اس لئے مصلحتاً خاموش رہنا ہی افضل ہے۔

((طبقات ابن سعد

:۴۔آداب گفتگو کی رعایت

اسلامی آدابِ اختلاف کا ایک اہم تقاضا قوتِ تعبیر اور حسنِ بیان ہے۔ بارہا ایسا ہوتا ہے کہ سوئے تعبیر سے حق ضائع اور باطل غالب آجاتا ہے، اس لئے اس بات کا التزام ہونا چاہیے کہ نرمی کے ساتھ گفتگو کی جائے، جارحانہ الفاظ اور طرز تخاطب سے مکمل اجتناب برتا جائے، نیک نیتی سے ہر ایک کی بات اور رائے سنی جائے اور اس بات پر یقین واذہان ہو کہ سب ایک ہی امت ہیں اور سب کی حیثیت جسد واحد کی ہے۔ یہ یقین واذہان اختلافات کے باوجود قلوب کو جوڑنے میں اہم کردار ادا کر سکتا ہے۔ قرآن مجید بتاتا ہے کہ انبیاء علیہم السلام نے اپنے شدید ترین دشمنوں سے بھی انتہائی نرمی سے اور بطریقِ احسن گفتگو کی ہے، حضرت موسیٰ و ہارون علیہما السلام :کو فرعون جیسے سرکش و باغی کے پاس پیغام حق لے کر اس ہدایت کے ساتھ بھیجا کہ

فَقُوْلَا لَهٗ قَوْلًا لَّيِّنًا لَّعَلَّهٗ يَتَذَكَّرُ اَوْ يَخْشٰى ۝۴۴ (۴۴: طٰہٰ)

’’تم دونوں اس سے نرمی سے گفتگو کرنا شاید وہ نصیحت قبول کرلے یا خدا سے ڈرے۔‘‘

:ہادی اعظم صلی اللہ علیہ وسلم کو منکرین و مخالفین کے ساتھ یہ طرز عمل اختیار کرنے کی تلقین کی گئی

(۶۳: نساء) فَاَعۡرِضۡ عَنۡهُمۡ وَعِظۡهُمۡ وَقُلۡ لَّهُمۡ فِيۡۤ اَنۡفُسِهِمۡ قَوۡلًاۢ بَلِيۡغًا ۝۶۳

"آپ ان سے اعراض اور درگذر کا معاملہ کریں، انہیں موعظت و نصیحت کئے جائیں اور ان سے اس انداز میں بات کریں کہ ان کے دل میں اتر جائے۔"

یعنی مخالفین کی بد سلیقگی، بد تہذیبی اور درشتی سے درگذر و اعراض اور نصیحت و موعظت اور وہ بھی اس موثر طریق سے کہ دل موہ لے اور مخاطب تمام رعایت بہر صورت ہونی چاہیے۔

تعصب سے اجتناب:

اختلاف کے باوجود اتحاد کو باقی رکھنے کے لئے ضروری ہے کہ تعصب اور جاہلی عصبیت سے دور رہا جائے، عصبیت، اتحاد کے لئے سمّ قاتل ہے، یہ اس راہ کی سب سے بڑی رکاوٹ ہے۔ یہ اندھی ہوتی ہے اور انسانی عقل کو مائوف کر دیتی ہے، اس عقل کو جو اس کے مجد و شرف کی علامت اور اس کی کرامت کا راز ہے، یہ جذبات کو منفی رخ دیتی ہے، انسانوں اور انسانوں کے درمیان تفریق پیدا کرتی ہے۔ اسی عصبیت نے اپنے مسلک و گروہ کے تفوق اور اپنی جماعت کی حمایت کے لئے حدیث سازی پر آمادہ کیا اور ایسی ایسی عبارتیں وضع کیں کہ العیاذ باللہ۔ اس کے اندھے پن کی اس سے بڑی اور بدترین مثال کیا ہو سکتی ہے کہ اس نے یہ حدیث گڑھنے پر مجبور کیا کہ:

"میری امت میں محمد بن ادریس (امام شافعی کا نام) نامی شخص پیدا ہوگا جو امت کے لئے ابلیس سے زیادہ مضرت رساں ہوگا اور میری امت میں ابو حنیفہ نامی شخص ظاہر ہوگا جو امت کے لئے سراج (چراغ) ہوگا۔" الامان والحفیظ۔ (موضوعات کی تقریباً تمام کتابوں میں موجود ہے)۔

ظاہر ہے اس تعصب کے ساتھ اتحاد کیونکر ممکن ہو سکتا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ عصبیت کے بت کو توڑے بغیر اتحاد و یگانگت کی ہر کوشش و خواہش فضول ہے۔ سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے بچنے کی سختی کے ساتھ تاکید فرمائی اور کہا :

جو عصبیت پر مرا، اس کی موت جاہلیت کی موت ہے اور جو عصبیت کا علم بردار ہو وہ ہم میں سے نہیں۔" (ابن ماجہ و" (الترمذی

عصبیت کسی طرح کی بھی ہو، خواہ اس کی بنیاد جغرافیہ و وطن ہو خواہ رنگ و نسل، مسلک و جماعت ہو یا قوم و برادری، بہر حال تباہ کن ہے اور اس کے بطن سے ہمیشہ تحزّب و تفرقہ بندی جنم لیتی ہے، جب کہ ایمان کی شان یہ ہے کہ وہ سدا حق کا ساتھ دیتا ہے، وہ کسی فرد، گروہ، مسلک، جماعت اور قوم و وطن سے تعصب کی بنیاد پر دشمنی نہیں رکھتا کہ یہ چیز عدل و تقویٰ کے خلاف ہے :

وَلَا یَجۡرِمَنَّکُمۡ شَنَاٰنُ قَوۡمٍ عَلٰۤی اَلَّا تَعۡدِلُوۡا ؕ اِعۡدِلُوۡا ۟ هُوَ اَقۡرَبُ لِلتَّقۡوٰی (المائدہ: ۸)

کسی قوم کی دشمنی تمھیں اس بات پر آمادہ نہ کر دے کہ تم جادۂ حق و عدل سے پھر جائو، عدل پر قائم رہو کہ یہ تقویٰ سے " (قریب تر ہے

تعصب کی بنا پر اپنی غلطیوں پر اصرار انسانیت نہیں، شیطانی عمل ہے، غلطیوں کا اعتراف بلاشبہ ایک مشکل امر ہے۔ اس کے لیے بے پناہ شجاعت، روحانی قوت اور مجاہدۂ نفس درکار ہے، مگر ہے بڑی لذیذ شئے۔ اگر انسان اس کی عادت بنا لے تو اعتراف میں بھی اسے فوز و فلاح کی لذت کا احساس ہو گا۔ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا :

(غلطی تو ہر انسان سے ہو سکتی ہے، لیکن بہترین خطاکار وہ ہے جو غلطی کا احساس ہوتے ہی توبہ کر لے۔" (ابن ماجہ"

:٦۔ تکریم انسانیت کا پاس و لحاظ

انسان ایک معزز و مکرم مخلوق ہے اور طبعی طور پر وہ شریفانہ جذبات و سلوک کا ممنون کرم ہوتا ہے، یہ ممنونیت اسے بغض و عناد کے جذبات سے دور کر کے قبول حق کی صلاحیت پیدا کر دیتی ہے، اس کے برخلاف تحقیر و الزام تراشی سے معاملات و تعلقات خراب ہوتے ہیں، دلوں میں دوریاں پیدا ہوتی ہیں اور صورت حال اتنی سنگین ہو جاتی ہے کہ عقیدہ و دین کی وحدت کے باوجود انسانی معاشرہ، نفرت کدہ میں تبدیل ہو جاتا ہے، اس لئے اسلام کی تعلیم یہ ہے کہ ہمیشہ انسانی شرافت کا لحاظ کیا جائے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے :

وَمَنْ لَّمْ يَتُبْ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ بِئْسَ الِاسْمُ الْفُسُوْقُ بَعْدَ الْاِيْمَانِ ۚ وَلَا تَلْمِزُوْٓا اَنْفُسَكُمْ وَلَا تَنَابَزُوْا بِالْاَلْقَابِ ۭ
الظّٰلِمُوْنَ ۝١١ (١١: الحجرات)

اے لوگو! جو ایمان لائے ہو، مرد مردوں کا مذاق نہ اڑائیں ممکن ہے کہ وہ ان مذاق اڑانے والوں سے بہتر ہوں اور" عورتیں عورتوں کا مذاق نہ اڑائیں بہت ممکن ہے کہ وہ ان ہنسنے والیوں سے بہتر ہوں اور ایک دوسرے پر طعن نہ کرو اور بُرے القاب سے پکارو۔ ایمان لانے کے بعد فسق کا نام ہی بُرا ہے اور جو لوگ اس روش سے باز نہ آئیں وہ ظالم ہیں۔"

:ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہؓ کہتی ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا

(اللہ کے نزدیک مبغوض ترین شخص وہ ہے جو جھگڑے پر اتر آتا ہے۔" (بخاری"

:آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مومن کی پہچان یہ بتائی ہے

مسلمان دوسرے مسلمان کا بھائی ہے۔ وہ اس کے ساتھ خیانت نہیں کرتا۔ اسے جھوٹا نہیں قرار دیا اور اس کی تحقیر"
نہیں کرتا۔ ہر مسلمان پر دوسرے مسلمان کی آب ومال اور جان حرام ہے۔ تقویٰ یہاں ہے (یعنی دل میں ہے) آدمی کے براہونے کے
(لیے کافی ہے کہ اپنے مسلمان بھائی کو حقیر جانے۔" (ترمذی

اکثر دیکھنے میں آتا ہے کہ اختلاف کی صورت میں طعن و تشنیع کا سہارا لیا جاتا ہے اور گفتگو افکار ور سائل کے بجائے
شخصیت اور ذات پر ہوتی ہے حالانکہ اسلام کی صریح ہدایت یہ ہے کہ "مسلمان لعن طعن کرنے والا اور بد کردار و بد کلام نہیں ہوتا۔"
((مسند احمد و ترمذی

اسلامی فکر وعقیدہ کا طرۂ امتیاز یہ ہے کہ اس کے حاملین اسی پر قناعت کرتے ہیں اس کی ترویج واشاعت کے حریص
ہوتے ہیں اور اس سلسلہ میں ایک ناصح امین کا کردار ادا کرتے ہیں۔ اور ہر طرح کے ترفّع واستعلاء سے بے نیاز ہوتے ہیں، وہ اپنی بات
اخلاص کے ساتھ پیش کرتے ہیں اور اللہ پر بھروسہ کرتے ہیں، کسی کی تحقیر وتکفیر سے ان کا دامن پاک ہوتا ہے، انہیں اپنی رائے،
فکر اور مسلک و جماعت سے بڑھ کر اسلامی اخوت عزیز ہوتی ہے لہٰذا وہ کسی قیمت پر اس کا سودا نہیں کرتے۔

:جبر واکراہ کے بجائے تودد واحسان

دین اسلام کا ایک اہم ترین اصول و تعلیم یہ بھی ہے کہ وہ اپنی تبلیغ میں جبر واکراہ کا قائل نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے
: لا اکراہ فی الدین (البقرہ:۲۵۶) گرچہ بنیادی طور سے یہ اصول اصل مذاہب کے ساتھ، اہل اسلام کے طرز عمل سے بحث کرتا ہے
تاہم غور کرنے کی بات یہ ہے کہ جو دین اپنے پیروئوں کو غیروں کے سلسلہ میں یہ ہدایت دیتا ہو، کیا اس کا یہ اصول اپنے ہی ماننے
والے دو نظریات و مسالک کے باب میں رہنمائی نہیں کرے گا؟ اگر آیت پاک میں یہ بات ہے اور یقینا ہے کہ کسی پر قبول اسلام کے
لئے جبر نہیں کیا جائے گا تو اپنے مسلک، جماعت، فکر اور قوم و برادری کے تعلق سے بدرجۂ اولیٰ یہی حکم ہے، للہذا اختلافی امور میں یہ
کوشش و آرزو کہ سب کو ایک حکمت فکر کا پابند بنا دیا جائے اور تمام اہل علم کو ایک ہی نہج پر سوچنے پر مجبور کر دیا جائے، کسی طرح صحیح و

مناسب نہیں ہے۔اسلام کی شان دار تاریخ بتاتی ہے کہ خیر القرون میں آیت مذکور کو اسی سیاق میں سمجھا گیا چنانچہ حدیث وفقہ کی اولین کتاب مؤطاامام مالک کو جو امام موصوف کی پوری زندگی کا حاصل تھی،جب خلیفہ منصور نے پورے عالم اسلام کا مذہب ومسلک قرار دینے کا ارادہ ظاہر کیا تو سب سے پہلے خود امام مالکؒ نے اس کی مخالفت کی اور کہا: ''امیر المؤمنین،ایسا نہ کیجئے۔لوگوں کے پاس اس کے علاوہ اقوال واحادیث پہنچ چکے ہیں اور جس کے پاس جو کچھ ہے وہ اس پر عمل پیرا ہے،لہٰذا مسلمانوں کو اپنے مسلک پر عمل کرنے دیجئے، انہیں کسی ایک مسلک کا پابند نہ بنایئے،ورنہ امت کا اتحاد پارہ پارہ ہو کر رہ جائے گا،خلیفہ کو امام موصوف کی یہ رائے پسند آئی چنانچہ اس نے اپنے ارادہ سے رجوع کر لیا۔(حجۃ اللہ البالغۃ)

عہد فاروقی تاریخ اسلام کا سب سے روشن وتابناک عہد سمجھا جاتا ہے۔حضرت عبداللہ بن مسعودؓ،حضرت عمرؓ کے گورنر(عامل) تھے،دونوں حضرات کے درمیان بہت سے امور ومسائل میں اختلاف رائے تھا۔امام ابن قیم کے مطابق جن امور میں ان حضرات کا اختلاف تھا ان کی تعداد سو (۱۰۰) سے متجاوز ہے،مگر کسی ایک موقع پر بھی حضرت عمرؓ نے حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کو اپنی رائے اور نقطۂ نظر کے مطابق فیصلہ کرنے پر مجبور نہیں کیا۔(اعلام الموقعین)

اس سے صاف ظاہر ہے کہ اپنے مسلک وفکر کو دوسروں پر مسلط کرنے کی کوشش کرنا اسلامی آداب واختلاف کے منافی ہے،اس سے وحدت واتحاد کے راہ تو ہموار نہیں ہوتی البتہ دوریاں ضرور بڑھتی ہیں اور فی الواقع بڑھی ہیں۔

۸۔ رفق وملاطفت:

اختلاف کے اصول وآداب کے حوالہ سے یہ بات بھی پیش نظر رہنی چاہیے کہ انسان چونکہ مختلف عوامل کا مرکب ہے اس لئے ضروری نہیں ہے کہ وہ فوراً ہر بات مان لے اور اس کا دل مطمئن ہو جائے۔ گرچہ وہ بات کتنی ہی صحیح کیوں نہ ہو،انسان پر جب انانیت کا غلبہ ہوتا ہے تو کوئی دلیل ومنطق اور کوئی تدبیر کام نہیں آتی۔یہ ایک سچائی ہے جس سے قرآن مجید اور کتب احادیث کے صفحات بھرے پڑے ہیں۔مثال کے طور پر ہر انبیاء علیہم السلام نے اپنی قوتوں کو قولاً اور عملاً ہر طرح سمجھا یا کہ جن بہت سے خدائوں کی تم پرستش کر رہے ہو،وہ لائق پرستش نہیں ہیں،وہ تمہارے اپنے تراشیدہ ہیں اور انھیں فہم وبصیرت بھی حاصل نہیں ہے مگر

قوموں نے ان کی اس بات کو تسلیم نہیں کیا۔ بسا اوقات انہیں اپنی غلطی کا احساس ہوا اور تھوڑی دیر کے لئے ندامت کی کیفیت بھی ان پر طاری ہوئی مگر اس کے باوجود وہ رسولوں کی دعوت پر ایمان نہیں لائے، اپنے مسلک اور اپنے دین سے دستبردار نہیں ہوئے بلکہ ان کی عداوت اور شدید ہو گئی اور وہ انانیت سے ایسے مغلوب ہوئے کہ نبیوں کے پیش کردہ سارے دلائل بے اثر ہو گئے، اسی انانیت سے مغلوب ہو کر نمرود نے حضرت ابراہیمؑ کو آگ میں ڈالنے کا فیصلہ کیا، فرعون نے حضرت موسیٰ کو جلا وطنی کی سزا دی، عزیز مصر نے حضرت یوسف کو پابند سلاسل کیا اور اہل مکہ نے نبی آخر صلی اللہ علیہ وسلم کو ہجرتِ مدینہ پر مجبور کیا۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ محض دلائل سے مخالف فکر کے حامل کو رام نہیں کیا جا سکتا، بلکہ حقیقت شناسی اور معرفت حق اللہ کا فضل ہے، وہ جسے چاہتا ہے۔ اس سے بہرہ ور کرتا ہے۔ لہٰذا دلائل و براہین کے ساتھ تودد و احسان اختلاف کو رفع کرنے، نفرتوں کو مٹانے اور کدورتوں کو ختم کرنے کا بہترین ذریعہ ہے، حضرت عائشہ سے روایت ہے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "نرمی اور ملاطفت کو حسین و مزین بناتی ہے اور اس کے فقدان سے معاملات بگڑ جاتے ہیں۔" ایک اور روایت میں ہے کہ: "اللہ تعالیٰ رفیق ہے، وہ نرمی کو پسند کرتا ہے اور اس سے وہ نتائج برآمد کرتا ہے جو شدّت پسندی اور سختی سے نہیں ہو سکتے۔" (جامع الاصول، ترمذی، ابوداؤد)

حضرت جریر بن عبداللہؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

(جو نرمی سے محروم ہے وہ گویا ہر خیر سے محروم ہے۔" (مسلم و ابوداؤد"

خلاصہ یہ کہ فکر و عمل کے میدان میں ہمیں حتی المقدور اختلافی راستہ کے بجائے اتفاقی راستہ اختیار کرنا چاہیے، اہل علم کی ذمہ داری یہ ہے کہ وہ فروعی مسائل میں حد سے تجاوز نہ کریں، ان کی شعوری کوشش یہ ہونی چاہیے کہ اختلافی رویّہ سے احتراز کیا جائے کہ ہمارا تقدس اسلام سے وابستہ ہے، مسلک و جماعت سے وابستہ نہیں ہے، ہمیں اصلاً اسلام کی پیروی کرنی ہے، کسی مسلک و امام کی نہیں اور اسلام ہی ہمارا مقصد و منزل ہے۔ دوسری چیزیں ضمنی اور ثانوی ہیں، اسی اصول کو اپنا کر ہم اسلام کی تبلیغ و اشاعت کا کام انجام دے سکتے ہیں اور اپنا کھویا ہوا وقار حاصل کر سکتے ہیں، اللہ تعالیٰ ہمیں غلو، نفسانیت، تعصب اور خود پسندی جیسی بُری خصلتوں سے محفوظ رکھے۔ آمین۔